ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

نبی ﷺ کا تفصیل کے مطالبے کو ترک کرنا: تطبیقی صورتیں

ABANDONING THE PROPHET'S DEMAND FOR DETAIL: APPLICABLE FORMS RESEARCH AND ANALYTICAL STUDY

Dr. Muhammad Usman Khalid
Ph. D of Islamic Studies, University of Engineering & Technology, Lahore.
Prof. Dr. Hafiz Muhammad Shahbaz
Chairman, Department of Islamic Studies, University of Engineering & Technology, Lahore.
Dr. Hafiz Qudrat Ullah
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Engineering & Technology, Lahore.

Abstract

Allah Almighty sent His Messenger to explain to the people their religious matters. This explanation can be applied to any of the sayings, actions, speeches and omissions of the Prophet. Therefore, what is explained by words, deeds or speeches is Sunnah and the jurists agree on this point and that's not part of our topic. The main topic of this discussion is the abandon of the Prophet. The reason for this argument is that the Prophet (Peace and blessings of Allah be upon him) refrained from asking for details in an accident or incident which has many possible causes for which he has imposed an absolute command and is not bound by any particular condition. Imam Shafi'i has deduced from this logic one of the great rules of the principles of jurisprudence. Later, the jurists adapted this rule into many forms which are different in terms of word but agree in meaning.

The significance of this debate lies in the fact that this debate is about one of the great rules of principle. The jurists also argue that their religion prevails over the same rule in case of disagreement on jurisprudential issues that fall under this rule. The jurists have inferred one of the great rules of the principles of jurisprudence and they have inferred this after considering the actions of the Prophet.

Keywords: Application, Omissions, Demand, Detail, Rule, Jurisprudence.

نبی ﷺ کبھی کبھی کسی حادثے یا واقعے میں تفصیل کے مطالبے کو ترک کر دیتے تھے حالانکہ وہ واقعہ بہت سی وجوہ کا احتمال رکھتا تھا۔ جب کوئی ایسا واقعہ یا سوال رونما ہوتا جو بہت سی صورتوں کا احتمال رکھتا اور آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا جاتا تو آپ کا ردِ عمل کیا ہوتا؟ اگر تو حالت کے اختلاف کے ساتھ حکم بھی مختلف ہوتا تو آپ ساری حالتوں کی تفصیل طلب کرتے پھر اس واقعہ کے ساتھ خاص حکم بیان فرماتے اور اگر ایسا ہوتا کہ آپ اس واقعہ کی مختلف حالتوں کی تفصیل پوچھے بغیر حکم بیان کر دیتے تو ایسے حکم کے بارے میں فقہاء کہتے ہیں کہ آپ کا واقعہ میں احتمال ہونے کے باوجود تفصیل کے مطالبے کو ترک کر دینا گفتگو میں عموم کے قائم مقام ہے اور فقہاء نے اس قاعدے کو بہت سی صورتوں میں ڈھالا ہے جن میں سے ایک یہ ہے: ترك الاستفصال فِي حكايات الْأَحْوَال مَعَ الِاحْتِمَال يتنزل منزلة الْعُمُوم فِي الْمقَال۔[1] {مختلف حالتوں والی ایسی حکایات جن میں (حکم کے مختلف ہونے کا) احتمال موجود ہو، تفصیل کے مطالبے کو ترک کر کے ایک حکم لگانا جو حکم گفتگو میں عموم کے قائم مقام ہے۔}

فقہاء کے اس قول ترك الاستفصال فِي حكايات الْأَحْوَال مَعَ الِاحْتِمَال يتنزل منزلة الْعُمُوم فِي الْمقَال کا معنی یہ ہے کہ اگر نبی ﷺ نے کسی واقعہ میں چھان بین کے مطالبے کو ترک کیا حالانکہ وہ واقعہ بہت سی حالتوں کا احتمال رکھتا تھا اور آپ نے اس واقعہ کا ایک ہی حکم بیان کر دیا تو یہ حکم بیان کرنا اس بات کی صراحت کے مترادف ہو گا کہ تمام صورتوں کا حکم یہی ہے۔[2] یعنی اگر یہ حکم تمام حالتوں کے لیے عام نہ ہوتا تو آپ مطلق بات نہ کرتے کیونکہ جو جگہ تفصیل کی محتاج ہو وہاں پر مطلق بات کرنا ممنوع ہوتی ہے۔

مذکورہ فقہی قاعدہ عبادات کے باب میں بھی داخل ہوتا ہے جیسے طہارت، نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور اس کے علاوہ وہ دوسرے امور جن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ قاعدہ فقہ کے غیر تعبدی ابواب میں بھی داخل ہوتا ہے جیسا کہ بیوع، ہبات، لقطہ اور ان کے علاوہ دوسرے مالی معاملات وغیرہ، اسی طرح یہ نکاح، طلاق، خلع اور ان کے علاوہ دوسرے غیر مالی معاملات میں بھی داخل ہوتا ہے۔ مذکورہ قاعدے کی کچھ تطبیقی مثالیں بطور حصر کے نہیں بلکہ بطور مثال کے پیش کی جا رہی ہیں لیکن ان کو پیش کرنا ان سے حاصل ہونے والے قول کو راجح دینے کے طور پر نہیں ہے بلکہ احکام کے استنباط پر ان کے ساتھ استدلال کرنے کی کیفیت کو بیان کرنے کے لیے ہے۔

عبادات میں تَرْكُ الِاسْتِفْصَال کی تطبیقات

فقہاء نے مذکورہ فقہی قاعدے سے بہت سے ایسے مسائل میں استدلال کیا ہے جن کا تعلق عبادات سے ہے جیسا کہ طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ

طہارت کے مسائل میں مذکورہ قاعدے کی تطبیقات

فقہاء نے مذکورہ قاعدے سے طہارت کے بہت سے مسائل میں استدلال کیا ہے، بطور مثال کے کچھ تطبیقات درج ذیل ہیں:

---

[1] ۔ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی، البرهان في أصول الفقه (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۸ھ)، ۱:۱۲۲۔

[2] ۔ابو العباس شہاب الدین احمد بن ادریس القرافی، أنوار البروق في أنواء الفروق (بیروت: عالم الکتب، س ن)، ۳:۱۶۸۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

پہلا مسئلہ: نیند سے وضو کا نہ ٹوٹنا

مذکورہ قاعدے کے ساتھ نیند سے وضو نہ ٹوٹنے پر استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے: "ایک رات نبی ﷺ نے رات کی نماز کو مؤخر کیا یہاں تک کہ رات کا اکثر حصہ چلا گیا حتی کہ مسجد والے سو گئے، پھر آپ نکلے اور آپ نے نماز پڑھائی، پھر فرمایا: اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو یہ اس نماز کا اصل وقت ہے"۔[3] تو اس واقعہ سے بعض فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ نیند سے مطلق طور پر وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ نبی ﷺ نے کسی سے کوئی تفصیل نہیں پوچھی کہ کیا تم نے خواب دیکھا؟ یا کیا تم میں سے کوئی اپنی پشت پر بیٹھا تھا؟ یا کیا تم میں سے کوئی ٹیک لگا کر بیٹھا تھا؟ اور کیا کسی کا کوئی عضو نیند کی وجہ سے زمین پر گرا؟ اگر تو ان حالتوں میں حکم مختلف ہوتا تو نبی ﷺ ان سے سوال کرتے جبکہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والی ایک کثیر تعداد والی جماعت تھی اور انہوں نے اتنا لمبا انتظار کیا کہ وہ سب سو گئے اور یہ بھی معلوم ہے کہ رات کے وقت اس طرح کے انتظار میں جب جماعت کی تعداد بھی بہت زیادہ ہو، یہ ساری حالتیں واقع ہوتی ہیں جبکہ آپ کے پیچھے عورتیں اور بچے بھی نماز پڑھتے تھے۔[4]

دوسرا مسئلہ: مستحاضہ کو اس کی عادت والے ایام کی طرف ہی لوٹایا جائے گا چاہے وہ ممیزہ ہو یا غیر ممیزہ

مذکورہ قاعدے کے ساتھ یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مستحاضہ کو اس کی عادت والے ایام کی طرف ہی لوٹایا جائے گا اور اس بات میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا کہ وہ مستحاضہ ممیزہ ہے یا غیر ممیزہ، جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے: "فاطمہ بنت ابی حبیش ؓ نبی ﷺ کے پاس آئیں اور کہا، یا رسول اللہ ﷺ میں ایک ایسی عورت ہوں کہ (اکثر) مستحاضہ رہتی ہوں اور ایک عرصے تک پاک نہیں ہوتی، کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں، یہ تو ایک رگ کا خون ہے اور حیض نہیں ہے، جب تمہارے حیض کا زمانہ آجائے تو نماز چھوڑ دو اور جب گذر جائے تو خون اپنے (جسم سے) دھو ڈالو، اس کے بعد نماز پڑھو"۔[5] اس حدیث کے ساتھ ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جن کا مؤقف ہے کہ مستحاضہ چاہے ممیزہ ہو یا غیر ممیزہ اسے اس کی عادت والے ایام کی طرف ہی لوٹایا جائے گا کیونکہ نبی ﷺ نے اس مستحاضہ سے کوئی تفصیل نہیں پوچھی۔[6]

تیسرا مسئلہ: کفار کے کپڑوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے جب تک کہ ان کا نجس ہونا ثابت نہ ہو جائے

مذکورہ قاعدے سے کفار کے کپڑوں سے نفع اٹھانے کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے جب تک کہ ان کا نجس ہونا ثابت نہ ہو جائے جیسا کہ مغیرہ بن شعبہ ؓ سے مروی ہے: نبی ﷺ نے رومی جبہ پہنا جو تنگ آستینوں والا تھا۔[7] چنانچہ فقہاء نے کفار کے کپڑوں سے نفع اٹھانا جائز قرار دیا ہے جب تک کہ ان کا نجس ہونا ثابت نہ ہو جائے کیونکہ نبی ﷺ نے رومی جبہ پہنا اور اس کی تفصیل نہیں پوچھی۔[8]

نماز کے مسائل میں مذکورہ قاعدے کی تطبیقات

فقہاء نے مذکورہ قاعدے سے نماز کے بہت سے مسائل میں استدلال کیا ہے، بطور مثال کے کچھ تطبیقات درج ذیل ہیں:

پہلا مسئلہ: بکریوں کے باڑے میں نماز کا درست ہونا

مذکورہ قاعدے سے بکریوں کے باڑے میں نماز کے درست ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے، چاہے نماز پڑھنے والے نے کسی حائل چیز پر نماز پڑھی یا بغیر حائل چیز کے جیسا کہ براء بن عازب ؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: تم اس میں نماز پڑھو کیونکہ یہ باعث برکت ہے۔[9] مذکورہ حدیث میں نبی ﷺ نے نماز کی مطلقاً اجازت دی اور آپ نے کسی حائل کی شرط نہیں لگائی جو نمازی کو باڑے سے خلط ملط ہونے سے بچائے جبکہ یہ جگہ وضاحت کی محتاج تھی لیکن اگر یہ جگہ مختلف احکام کی محتاج ہوتی تو نبی ﷺ ضرور بیان کرتے۔ نبی ﷺ نے سوال کرنے والے سے تفصیل طلب کرنے کو ترک کر دیا کہ کیا وہاں کوئی ایسا حائل موجود ہے جو تیرے اور بکریوں کی مینگنیوں کے درمیان حائل ہو؟ جبکہ یہاں پر احتمال واضح ہے لیکن آپ نے مطلق اجازت دی بلکہ یہ تو اس سے زیادہ تاکید والی جگہ تھی کیونکہ یہاں پر وضاحت کی ضرورت زیادہ تھی۔[10]

دوسرا مسئلہ: جماعت کے ساتھ نماز لوٹانے کا استحباب

---

[3] ۔ مسلم بن الحجاج القشیری، **الصحیح**، كِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةَ، بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ وَتَأْخِيرِهَا (الریاض: دارالسلام، ۲۰۰۰ء)، حدیث ۶۳۸۔

[4] ۔ احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ الحرانی، **مجموع الفتاوی** (مدینہ منورہ: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، ۱۴۱۶ھ)، ۲۱: ۳۹۳۔

[5] ۔ محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، كِتَابُ الْوُضُوءِ، بَابُ غَسْلِ الدَّمِ (الریاض: دار السلام، ۱۴۱۹ھ)، حدیث: ۲۲۸۔

[6] ۔ ابن دقیق العید، **إحكام الإحكام شرح عمدة الأحكام**، ۱: ۱۵۵۔

[7] ۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، **السنن**، أَبْوَابُ اللِّبَاسِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْجُبَّةِ وَالْخُفَّيْنِ (الریاض: دار السلام، ۱۴۳۰ھ)، حدیث: ۱۷۶۸۔

[8] ۔ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، **فتح الباري شرح صحيح البخاري**، قَوْلُهُ بَابُ الْمسْح على الْخُفَّيْنِ (بیروت: دار المعرفہ، ۱۳۷۹ھ)، ۱: ۳۰۷۔

[9] ۔ ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، **السنن**، كِتَاب الطَّهَارَةِ، بَابُ الْوُضُوءِ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ (الریاض: دار السلام، ۱۴۳۰ھ)، حدیث: ۱۵۶، یہ معنی نبی ﷺ سے حضرت ابو ہریرہ، براء بن عازب، جابر بن سمرہ اور عبد اللہ بن مغفل ؓ سے مروی ہے۔ تمام احادیث کی اسناد حسن ہیں اور ان میں سے اکثر تواتر کے ساتھ مروی ہیں جبکہ ان میں سے سب سے زیادہ عمدہ براء ؓ کی حدیث ہے: ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی، التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد، **باب حرف الهاء** (المغرب: وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية، ۱۳۸۷ھ)، ۲۲: ۳۳۳۔

[10] ۔ ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**، ۲۱: ۵۷۲۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

مذکورہ قاعدے سے اس شخص کے لیے جماعت کے ساتھ نماز لوٹانے کے مستحب ہونے پر استدلال کیا گیا ہے جس نے اکیلے یا جماعت کے ساتھ پہلے نماز پڑھ لی ہو جیسا کہ یزید بن اسود عامری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:"میں نبی ﷺ کے ساتھ حج میں حاضر تھا، میں نے آپ ﷺ کے ساتھ مسجد خیف میں صبح کی نماز پڑھی تو جب آپ نے اپنی نماز ختم کی اور مڑے تو آپ نے قوم کے آخر میں دو آدمیوں کو دیکھا جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی تو آپ نے فرمایا: تم دونوں کو کس چیز نے منع کیا کہ تم دونوں ہمارے ساتھ نماز پڑھو؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اپنے گھروں میں نماز پڑھ چکے تھے تو آپ نے فرمایا: ایسا مت کیا کرو، جب تم اپنے گھر میں نماز پڑھ چکے ہو پھر تم مسجد آؤ تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لیا کرو تو یہ نماز تمہارے لیے نفل ہو جائے گی"۔[11] اس حدیث کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس بات میں کوئی فرق نہیں ہے کہ پہلی نماز جماعت کے ساتھ ہو یا اکیلے کیونکہ نبی ﷺ نے ان کی نماز کی کیفیت کے بارے میں تفصیل نہیں پوچھی چنانچہ جس نے اکیلے نماز پڑھی یا کسی دور کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی پھر وہ مسجد آیا اور اس نے لوگوں کو نماز باجماعت پڑھتے ہوئے پایا تو یہ ان کے ساتھ نماز لوٹائے گا۔

تیسرا مسئلہ: جماعت کھڑی ہونے کے بعد مطلق طور پر نوافل کا عدم جواز

مذکورہ قاعدے سے جماعت کھڑی ہونے کے بعد مطلق طور پر نوافل کے عدم جواز کا استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ ابن بحینہ سے مروی ہے: فجر کی نماز کھڑی ہوئی تو نبی ﷺ نے دیکھا کہ ایک بندہ نماز پڑھ رہا تھا جبکہ مؤذن اقامت کہہ رہا تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تو صبح کی نماز چار رکعتیں پڑھتا ہے؟۔[12] چنانچہ اس حدیث میں اس بات کی صریح "نہی" موجود ہے کہ نماز کی اقامت کہے جانے کے بعد نفل نماز پڑھنا منع ہے چاہے وہ نفل نماز سنن راتبہ ہو جیسا کہ فجر، ظہر یا عصر کی سنتیں یا کوئی اور نفل ہو کیونکہ نبی ﷺ نے اس شخص سے اس کی نماز کی تفصیل نہیں پوچھی چنانچہ یہ حکم عام ہو گا۔[13]

زکوٰۃ کے مسائل میں مذکورہ قاعدے کی تطبیقات

فقہاء نے مذکورہ قاعدے سے زکوٰۃ کے بہت سے مسائل میں استدلال کیا ہے، بطور مثال کے کچھ تطبیقات درج ذیل ہیں:

پہلا مسئلہ: زکوٰۃ کی ادائیگی میں جلدی کرنا چاہے جلدی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد باقی بچنے والا مال نصاب کو پہنچ رہا ہو یا نصاب سے کم ہو

مذکورہ قاعدے سے وقت سے پہلے زکوٰۃ کی ادائیگی پر استدلال کیا جاتا ہے چاہے جلدی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد باقی بچنے والا مال نصاب کو پہنچ رہا ہو یا کم ہو جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ کیا وہ زکوٰۃ کا وقت آنے سے پہلے اپنی زکوٰۃ نکال سکتے ہیں تو نبی ﷺ نے اس کی رخصت دے دی۔[14] اس حدیث میں نبی ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جلدی زکوٰۃ ادا کرنے کی رخصت دی اور ان سے یہ سوال نہیں کیا کہ کیا وقت سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد باقی بچنے والا مال نصاب کو پہنچ رہا ہے یا نصاب سے کم ہے؟ تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان دونوں صورتوں کا حکم برابر ہے۔[15]

دوسرا مسئلہ: عورت کے لیے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اور اپنے مال کی ایک معین مقدار پر توقف کیے بغیر اپنے مال سے صدقہ کرنے کا جواز

اس قاعدے کے ساتھ اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ عورت کے لیے اپنے مال سے صدقہ کرنا اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اور اپنے مال کی معین مقدار پر توقف کیے بغیر جائز ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "نبی ﷺ عید الفطر کے دن کھڑے ہوئے آپ نے نماز عید پڑھائی تو آپ نے نماز سے ابتدا کی پھر خطبہ دیا پس جب آپ فارغ ہوئے تو آپ اترے اور عورتوں کے پاس آئے پھر آپ نے انہیں وعظ ونصیحت کی جبکہ آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور بلال رضی اللہ عنہ اپنا کپڑا اپھیلائے ہوئے تھے جس میں عورتیں صدقہ ڈال رہی تھیں"۔[16] اس قاعدے سے عورت کے لیے اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اور اپنے مال کی معین مقدار پر توقف کیے بغیر اپنے مال سے صدقہ کرنے کے جواز کا استدلال کیا جاتا ہے مثال کے طور پر عورت چاہے تو اپنا ثلث مال صدقہ کر سکتی ہے اور اس قصے میں دلالت کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اس ساری تفصیل کے مطالبے کو ترک کر دیا۔[17]

تیسرا مسئلہ: عورت کے لیے اپنے خاوند کو زکوٰۃ دینے کا جواز

مذکورہ قاعدے سے عورت کا اپنے خاوند کو زکوٰۃ دینے کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت زینب سے روایت ہے جو کہ عبد اللہ کی بیوی ہیں وہ فرماتی ہیں: میں مسجد میں تھی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے تھے: اے عورتو! تم صدقہ کیا کرو اگرچہ اپنے زیورات سے ہی کرو، اور زینب عبد اللہ پر اور اپنے گود میں پرورش پانے والے یتیموں پر خرچ کرتی تھی تو انہوں نے عبد اللہ کو کہا: تو رسول اللہ ﷺ سے سوال کر کہ کیا مجھ سے کفایت کر جائے گا کہ میں تجھ پر اور اپنی گود میں پرورش پانے والے یتیموں پر زکوٰۃ خرچ کروں؟ تو انہوں نے کہا: تو خود سوال کر لے۔ چنانچہ میں نبی ﷺ کے پاس گئی تو میں نے دروازے پر انصاریوں کی ایک عورت کو پایا جس کی حاجت میری حاجت کی طرح ہی تھی تو ہمارے پاس سے بلال رضی اللہ عنہ گزرے، ہم نے کہا: آپ نبی ﷺ سے سوال کریں کہ کیا مجھ سے

---

[11] ۔الترمذي،السنن،أَبْوَابُ الصَّلَاةِ،بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي وَحْدَهُ ثُمَّ يُدْرِكُ الجَمَاعَةَ،**حدیث:۲۱۹**۔

[12] ۔**مسلم،الصحیح**،كِتَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا،بَابُ كَرَاهَةِ الشُّرُوعِ فِي نَافِلَةٍ بَعْدَ شُرُوعِ الْمُؤَذِّنِ،**حدیث:۷۱۱**۔

[13] ۔**یحیٰ بن شرف النووی**،المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج،كتاب صلاة المسافرين وقصرها،باب كراهة المشوع في نافلة بعد شروع المؤذن**(لبنان: دار احیاء التراث العربی،۱۳۹۲ھ)،۵:۲۲۲**۔

[14] ۔الترمذي،السنن،أَبْوَابُ الزَّكَاةِ،بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الزَّكَاةِ،**حدیث:۶۷۸**۔

[15] ۔**ابو الحسن علی بن محمد الماوردی**،الحاوي الكبير **(لبنان: دار الکتب العلمیہ،۱۴۱۹ھ)،۳:۱۶۰**۔

[16] ۔**البخاری،الجامع الصحیح**،أَبْوَابُ العِيدَيْنِ،بَابُ المَشْيِ وَالرُّكُوبِ إِلَى العِيدِ، وَالصَّلاَةِ قَبْلَ الخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلاَ إِقَامَةٍ،**حدیث:۹۶۱**۔

[17] ۔**ابن حجر عسقلانی**،فتح الباري شرح صحيح البخاري،قَوْلُهُ بَابُ مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَاءَ يَوْمَ الْعِيدِ،**۲:۴۶۸**۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

کفایت کر جائے گا کہ میں اپنے خاوند اور اپنی گود میں پرورش پانے والے یتیموں پر خرچ کروں؟ اور ہم نے کہا کہ آپ ہمارے بارے میں نہ بتانا، چنانچہ بلال رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: وہ دونوں کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: زینب، تو آپ نے پوچھا: کون سی زینب؟ تو انہوں نے کہا: عبد اللہ کی بیوی، تو آپ نے فرمایا: ہاں! اس کے لیے دو اجر ہیں: ایک قرابت داری کا اجر اور ایک صدقے کا اجر۔[18] امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب آپ کے پاس صدقہ کا ذکر کیا گیا اور آپ نے نفل صدقہ یا واجب صدقہ کی تفصیل نہیں پوچھی تو گویا کہ آپ نے اجازت دی کہ تجھ سے کفایت کر جائے گا چاہے فرض صدقہ ہو یا نفل کیونکہ تفصیل کے مطالبے کو ترک کرنا عموم کے قائم مقام ہوتا ہے۔[19]

روزوں کے مسائل میں مذکورہ قاعدے کی تطبیقات

فقہاء نے مذکورہ قاعدے سے روزوں کے بہت سے مسائل میں استدلال کیا ہے، بطور مثال کے کچھ تطبیقات درج ذیل ہیں:

پہلا مسئلہ: میت کی طرف سے روزے رکھنا چاہے اس نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو

اس قاعدے سے میت کی طرف سے وہ روزے رکھنے کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے جو میت پر واجب تھے، چاہے میت نے ان کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: "میری ماں فوت ہو گئی ہے اور اس کے ذمہ ایک مہینے کے روزے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرا کیا خیال ہے کہ اگر اس پر کوئی قرض ہوتا تو تُو اس کی طرف سے ادا کرتی؟ تو اس نے جواب دیا: ہاں تو آپ نے فرمایا: اللہ کا قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے ادا کیا جائے"۔[20] اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے یہ سوال نہیں کیا کہ کیا اس نے وصیت کی تھی یا نہیں اور نہ ہی یہ پوچھا کہ اس پر رمضان کے روزے ہیں یا نذر کے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "درست بات یہی ہے کہ میت کی طرف سے اس کے وارث کے لیے روزے رکھنا جائز ہیں، چاہے وہ رمضان کے روزے ہوں یا نذر کے یا اس کے علاوہ کوئی اور واجب روزے"۔[21]

دوسرا مسئلہ: سفر میں نفلی روزے کا جواز

مذکورہ قاعدے سے سفر میں نفلی روزے کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حمزہ بن عمرو اسلمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: "کیا میں سفر میں روزہ رکھوں؟ اور وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہتا ہے تو رکھ لے اور اگر چاہتا ہے تو چھوڑ دے"۔[22] ابن دقیق العید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سے تفصیل پوچھنے کو ترک کرنے پر تعقیب کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس حدیث میں دوران سفر روزہ رکھنے اور چھوڑنے کے اختیار پر دلیل ہے کیونکہ اس حدیث میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ انہوں نے رمضان کے روزے کا پوچھا تھا۔[23]

تیسرا مسئلہ: جماع کے ساتھ روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور کفارہ واجب ہو جاتا ہے چاہے جان بوجھ کر جماع کیا ہو یا بھول کر

مذکورہ قاعدے سے استدلال کیا جاتا ہے کہ جماع سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور ہر صورت کفارہ واجب ہو جاتا ہے چاہے جان بوجھ کر جماع کیا ہو یا بھول کر جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں ہلاک ہو گیا آپ نے فرمایا تو کیسے ہلاک ہو گیا؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی ہے آپ نے فرمایا کیا تو ایک غلام آزاد کر سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا کیا تو مسلسل دو مہینے روزے رکھ سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں، راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ آدمی بیٹھ گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ٹوکرا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو محتاجوں میں صدقہ کر دو اس نے عرض کیا: کیا ہم سے بھی زیادہ کوئی محتاج ہے؟ مدینہ کے دونوں اطراف کے درمیان والے گھروں میں کوئی گھر ایسا نہیں جو ہم سے زیادہ محتاج ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھیں مبارک ظاہر ہو گئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے فرمایا جا! اور اسے اپنے گھر والوں کو کھلا"۔[24] اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے روزے کے فاسد ہونے کا حکم لگایا، اس پر کفارہ واجب کیا اور اس سے یہ تفصیل نہیں پوچھی کہ کیا تو نے بھول کر جماع کیا ہے یا جان بوجھ کر۔[25]

حج کے مسائل میں مذکورہ قاعدے کی تطبیقات

فقہاء نے مذکورہ قاعدے سے حج کے بہت سے مسائل میں استدلال کیا ہے، بطور مثال کے کچھ تطبیقات درج ذیل ہیں:

---

[18] ۔ **البخاری، الجامع الصحیح**، كِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابُ الزَّكَاةِ عَلَى الزَّوْجِ وَالأَيْتَامِ فِي الحَجْرِ، **حدیث:۱۴۶۶**۔

[19] ۔ **ابن حجر عسقلانی**، فتح الباري شرح صحيح البخاري، قَوْلُهُ بَابُ الزَّكَاةِ عَلَى الزَّوْجِ وَالْأَيْتَامِ فِي الْحِجْرِ، **۳۳۰:۳**۔

[20] ۔ **مسلم، الصحیح**، كِتَاب الصِّيَامِ، بَابُ قَضَاءِ الصِّيَامِ عَنِ الْمَيِّتِ، **حدیث:۱۱۴۸**۔

[21] ۔ **یحیٰ بن شرف نووی، المجموع شرح المهذب**، كِتَابُ الصِّيَامِ، مَسَائِلَ تَتَعَلَّقُ بِالْجِمَاعِ فِي صَوْمِ رَمَضَانَ (**بیروت: دار الفکر، س ن**)، **۳۷۰:۶**۔

[22] ۔ **البخاری، الجامع الصحیح**، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابُ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ وَالإِفْطَارِ، **حدیث:۱۹۴۳**۔

[23] ۔ **ابن دقیق العید**، إحكام الإحكام، كِتَابُ الصِّيَامِ، **۲۰:۲**۔

[24] ۔ **مسلم، الصحیح**، كِتَاب الصِّيَامِ، بَابُ تَغْلِيظِ تَحْرِيمِ الْجِمَاعِ فِي نَهَارِ رَمَضَانَ عَلَى الصَّائِمِ، وَوُجُوبِ الْكَفَّارَةِ الْكُبْرَى فِيهِ وَبَيَانِهَا، وَأَنَّهَا تَجِبُ عَلَى الْمُوسِرِ وَالْمُعْسِرِ وَتَثْبُتُ فِي ذِمَّةِ الْمُعْسِرِ حَتَّى يَسْتَطِيعَ، **حدیث:۱۱۱۱**۔

[25] ۔ **یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر**، التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد، **۱۸۱:۷**۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

پہلا مسئلہ: عورت کا عورتوں کی جماعت کے ساتھ حج کرنا

مذکورہ قاعدے کے ساتھ عورت کے محرم کے بغیر حج کرنے کے عدم جواز پر استدلال کیا جاتا ہے اگرچہ وہ عورتوں کی جماعت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو اور راستہ پُر امن ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "کوئی مرد ہرگز کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو اور کوئی عورت اپنے محرم کے بغیر ہرگز سفر نہ کرے، تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میری بیوی حج کے لیے نکل چکی ہے جبکہ میرا نام فلاں اور فلاں غزوے میں لکھا جا چکا ہے، آپ نے فرمایا: تو جا اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کر"۔[26] اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو حکم دیا کہ وہ جا کر اپنی بیوی کے ساتھ حج کرے، آپ نے اس سے ایسی کوئی تفصیل نہیں پوچھی کہ اس کی بیوی بڑی عمر کی ہے (یعنی بوڑھی ہے) یا چھوٹی، اس کے ساتھ دوسری عورتیں ہیں یا نہیں ہیں اور کیا راستہ امن والا ہے یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ: کسی اور کی طرف سے حج کرنا

مذکورہ قاعدے کے ساتھ کسی اور کی طرف سے حج کرنے کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے اگرچہ وہ دوسرا بندہ استطاعت ہی رکھتا ہو، اسی طرح اس پر اجرت لینے کے جواز پر بھی استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے ایک بندے کو یہ پکارتے ہوئے سنا: میں شُبْرُمَة کی طرف سے حاضر ہوں، تو آپ نے فرمایا: شُبْرُمَة کون ہے؟ اس نے کہا: میرا بھائی ہے یا کہا کہ میرا قریبی ہے تو آپ نے فرمایا: کیا تو نے اپنی طرف سے حج کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، تو آپ نے فرمایا: پہلے اپنی طرف سے حج کر پھر شُبْرُمَة کی طرف سے حج کر"۔[27] تو اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے شُبْرُمَة کے بارے میں تفصیل پوچھی اور یہ پوچھا کہ اس نے اپنی طرف سے حج کیا ہے یا نہیں لیکن آپ نے اس تفصیل کو ترک کر دیا کہ شُبْرُمَة زندہ ہے یا نہیں اور کیا وہ استطاعت رکھتا ہے یا نہیں، اسی طرح آپ نے اس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اس حج کا خرچ اس کے اپنی طرف سے ہے یا شُبْرُمَة کی طرف سے اور نہ ہی آپ نے یہ پوچھا کہ وہ مفت میں اس کی طرف سے حج کر رہا ہے یا اجرت لے کر۔ چنانچہ آپ کے تفصیل کو ترک کرنے کی وجہ سے ان تمام احتمالی صورتوں کے جائز ہونے کا استدلال کرنا درست ہے۔

تیسرا مسئلہ: اس شکار کو کھانے کا جواز جو محرم کے لیے شکار کیا گیا ہو

مذکورہ قاعدے سے اس شکار کو کھانے کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے جو محرم کے لیے ہی شکار کیا گیا ہو جیسا کہ زید بن کعب بہزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ جانے کے واسطے احرام باندھ کر روانہ ہوئے جب مقام روحاپر آئے تو ایک جنگلی گدھا[28] نظر آیا (اس کو ذبح کیا جا چکا تھا لیکن سانس باقی تھا) چنانچہ اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تذکرہ کیا گیا۔ آپ نے فرمایا تم اس کو پڑا رہنے دو۔ ایسا ممکن ہے کہ اس کا مالک پہنچ جائے کہ اس دوران حضرت بہزی آگئے جو اس کے مالک تھے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ گدھا آپ کے اختیار میں ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ تمام رفقاء سفر (دوستوں) میں اسے تقسیم کر دیں"۔[29] حالانکہ وہ سب محرم تھے تو آپ نے اس آدمی سے تفصیل نہیں پوچھی کہ کہیں اس نے اسے اِن (آپ اور آپ کے ساتھیوں) کے لیے تو شکار نہیں کیا۔ چنانچہ اگر محرم کے لیے شکار کیا گیا ہو تو وہ محرم پر حرام نہیں ہو گا۔

مالی معاملات میں تَرْكُ الِاسْتِفْصَال کی تطبیقات

فقہاء نے مذکورہ قاعدے سے مالی معاملات سے تعلق رکھنے والے بہت سے مسائل میں استدلال کیا ہے، بطور مثال کے کچھ تطبیقات درج ذیل ہیں:

پہلا مسئلہ: مغبون[30] کی بیع کے عقد کا صحیح ہونا

بعض فقہاء مذکورہ قاعدے سے مغبون کے عقد کی درستی پر استدلال کرتے ہیں اگرچہ اس کا غبن بڑا ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بندے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ اسے بیوع (خرید و فروخت) میں دھوکہ دے دیا جاتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تو بیع کرے تو کہا کر مجھے دھوکہ نہ دو۔[31] تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیع کرنے پر برقرار رکھا اور اس کی راہنمائی کی کہ وہ اختیار کی شرط رکھ لیا کرے اور آپ نے اس سے یہ تفصیل نہیں پوچھی کہ اس کے ساتھ کوئی بڑا دھوکہ ہوتا ہے یا چھوٹا موٹا اور اگر کوئی بڑا دھوکہ ہو گا تو وہ بیع فسخ کرنے کا اختیار رکھتا ہو گا لیکن اس کے لیے وہ اختیار کی شرط رکھنے کا محتاج ہے۔[32]

دوسرا مسئلہ: اولاد میں سے کسی ایک کو تحفے یا عطیے کے ساتھ خاص کرنے کا عدم جواز

---

[26]۔ مسلم، **الصحیح**، كِتَابُ الْحَجِّ، بَابُ سَفَرِ الْمَرْأَةِ مَعَ مَحْرَمٍ إِلَى حَجٍّ وَغَيْرِهِ، حدیث: ۱۳۴۱۔

[27]۔ **ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی**، **السنن**، كِتَاب الْمَنَاسِكِ، بَابُ الرَّجُلِ يَحُجُّ عَنْ غَيْرِهِ، حدیث: ۱۸۱۱۔

[28]۔ مراد جنگلی گدھا ہے جس کا کھانا حلال ہے جیسا کہ حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے۔

[29]۔ **احمد بن شعیب النسائی**، السنن الصغرى، كِتَابُ مَنَاسِكِ الْحَجِّ، مَا يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ أَكْلُهُ مِنَ الصَّيْدِ (حلب: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، 1406ھ)، حدیث: ۲۸۱۸۔

[30]۔ جسے بیع میں دھوکہ ہو جاتا ہو۔

[31]۔ **البخاری**، **الجامع الصحیح**، كِتَابُ البُيُوعِ، بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الخِدَاعِ فِي البَيْعِ، حدیث: ۲۱۱۷۔

[32]۔ **ابن حجر عسقلانی**، فتح الباري شرح صحيح البخاري، ۴: ۳۳۷۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

بعض فقہاء مذکورہ قاعدے سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ باپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے[33] کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو چاہے وہ بیٹا ہو یا بیٹی عطیے کے ساتھ خاص کرے، چاہے اس تخصیص کا تقاضا کرنے والا کوئی سبب بھی موجود ہو، مثال کے طور پر وہ بچہ ضرورت مند ہو یا زیادہ اہل وعیال والا ہو یا علم کے ساتھ مشغول ہو۔ اسی طرح باپ کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی سے عطیے کو اس کے نافرمان یا اس کے بدعتی ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے روک لے کہ وہ یہ عطیہ لے کر اللہ تعالی کی نافرمانی کرے گا جیسا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "کہ اس کی ماں بنت رواحہ نے اس کے باپ سے اس کے مال میں سے کچھ مال ہبہ کرنے کا سوال کیا۔ انہوں نے ایک سال تک التواء میں رکھا پھر اس کا ارادہ ہو گیا اس کی ماں نے کہا میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک تو رسول اللہ ﷺ کو میرے بیٹے کے ہبہ پر گواہ نہ بنا لے۔ تو میرے والد نے میرا ہاتھ پکڑا اور ان دنوں میں لڑکا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! اس کی ماں بنت رواحہ پسند کرتی ہے کہ میں آپ ﷺ کو اس کے بیٹے کے ہبہ پر گواہ بناؤں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بشیر! کیا اس کے علاوہ بھی تیری اولاد ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اسی طرح سب کو ہبہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا تو مجھے گواہ مت بنا کیونکہ میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا"۔[34] تو نبی ﷺ نے بشیر سے ان کی اولاد کے حالات اور جنس کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں پوچھی۔

تیسرا مسئلہ: غنی کے لیے گری پڑی چیز کھانے کا جواز اگرچہ وہ شہر میں ہی کیوں نہ ہو

بعض فقہاء نے اس قاعدے کے ساتھ غنی اور فقیر سب کے لیے گری پڑی چیز کو کھانے کے جواز پر استدلال کیا ہے، چاہے وہ گری پڑی چیز شہر میں پائی جائے یا صحراء میں کیونکہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے گم شدہ بکری کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: وہ تیرے لیے ہے یا تیرے بھائی کے لیے ہے یا بھیڑیے کے لیے ہے[35]۔ یہاں آپ نے نہ تو غنی اور فقیر میں کوئی فرق کیا اور نہ ہی یہ تفصیل پوچھی کہ وہ شہر میں ہے یا صحراء میں اور اگر ان دونوں کا حکم مختلف ہوتا تو آپ اس سے سوال کرتے اور تفصیل طلب کرتے۔

غیر مالی معاملات میں تَرْكُ الِاسْتِفْصَال کی تطبیقات

فقہاء نے مذکورہ قاعدے سے معاملات کے بہت سے مسائل میں استدلال کیا ہے جیسا کہ نکاح وطلاق وغیرہ۔

نکاح میں مذکورہ قاعدے کی تطبیقات

فقہاء نے مذکورہ قاعدے سے نکاح کے بہت سے مسائل میں استدلال کیا ہے، بطور مثال کے کچھ تطبیقات درج ذیل ہیں:

پہلا مسئلہ: جو بندہ اسلام لائے اور اس کے تحت چار سے زائد بیویاں ہوں

مذکورہ قاعدے سے باقی زوجات کے نکاح کی صحت[36] پر استدلال کیا ہے کہ جب کوئی بندہ اسلام لائے اور اس کی چار سے زائد بیویاں ہوں تو وہ ان میں سے چار کا اختیار کرے گا[37] جیسا کہ غیلان رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ہے کہ جب وہ اسلام لائے تو ان کی دس بیویاں تھیں تو نبی ﷺ نے ان سے کہا: تو چار کو روکے رکھ اور باقی سب کو چھوڑ دے۔[38] تو یہاں پر نبی ﷺ نے مطلق قول ارشاد فرمایا اور آپ نے ان میں سے پہلے یا بعد میں نکاح والیوں کے بارے میں تفصیل نہیں پوچھی اور نہ ہی یہ تفصیل پوچھی کہ ان سب کو ایک ہی عقد سے جمع کیا تھا یا متفرق عقود سے تو ثابت ہوا کہ اگر ان سب حالتوں کا حکم مختلف ہوتا تو آپ اس کی تفصیل ضرور پوچھتے۔[39]

دوسرا مسئلہ: جو بندہ اسلام لائے اور اس کے تحت دو بہنیں ہوں

مذکورہ قاعدے سے دو بہنوں میں سے جو باقی رہ جائے اس کے نکاح کی صحت پر استدلال کیا گیا ہے یعنی جب کوئی بندہ اسلام لائے اور اس کے تحت دو بہنیں ہوں تو وہ ان میں سے ایک کو اختیار کرے گا جیسا کہ فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: میں اسلام لایا تو میرے تحت دو بہنیں تھیں تو میں نے نبی ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان میں سے جسے چاہوں روکے رکھوں

---

[33]۔ حدیث کی روایات میں اختلاف کی طرف دیکھتے ہوئے فقہاء نے اولاد میں سے کسی ایک کو عطیہ کے ساتھ خاص کرنے میں اختلاف کیا ہے، بعض فقہاء اس کی تحریم کے قائل ہیں جبکہ بعض کراہت کے قائل ہیں، ابن دقیق العید، إحكام الإحكام، ۲:۱۵۴۔

[34]۔ مسلم، **الصحیح**، كِتَابُ الْهِبَاتِ، بَابُ كَرَاهَةِ تَفْضِيلِ بَعْضِ الْأَوْلَادِ فِي الْهِبَةِ، حدیث: ۱۶۲۳۔

[35]۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، كِتَاب فِي اللُّقَطَةِ، بَابُ مَنْ عَرَّفَ اللُّقَطَةَ وَلَمْ يَدْفَعْهَا إِلَى السُّلْطَانِ، حدیث: ۲۴۳۸۔

[36]۔ یعنی جو چار سے زائد بیویاں ہوں گی ان کا نکاح خود بخود باطل نہیں ہو گا جب تک کہ بندہ ان میں سے کسی چار کا انتخاب نہ کر لے۔

[37]۔ جب کوئی مشرک اسلام لائے اور اس کی چار سے زائد بیویاں ہوں تو وہ ان میں سے جن چار کو چاہے روکے رکھے اور باقی تمام کو چھوڑ دے کیونکہ چار سے زائد اس کے لیے حلال نہیں ہیں اس بات میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا کہ اس نے ان سب عورتوں سے ایک ہی عقد کیا ہو یا متفرق عقد کیے ہوں اور اس میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ ان میں سے کسے چھوڑ دے، چاہے جس سے پہلے نکاح ہوا اسے چھوڑ دے یا جس سے بعد میں نکاح ہوا۔

[38]۔ محمد بن حبان، **صحیح ابن حبان** (بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ)، حدیث: ۴۱۵۷۔

[39]۔ قاضی ابو بکر ابن العربی، **المسالِك في شرح مُوَطَّأ مالك**، كتاب الطلاق وشرح أبوابه ومقدِّماته، باب جامع الطّلاق (بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1428ھ)، ۵:۲۵۱۔

اور دوسری کو چھوڑ دوں۔[40] تو یہاں پر نبی ﷺ نے مطلق قول ارشاد فرمایا اور آپ نے ان میں سے پہلے یا بعد میں نکاح والی کے بارے میں تفصیل نہیں پوچھی اور نہ ہی یہ تفصیل پوچھی کہ ان دونوں کو ایک ہی عقد سے جمع کیا تھا یا متفرق عقود سے تو ثابت ہوا کہ اگر ان سب حالتوں کا حکم مختلف ہوتا تو آپ اس کی تفصیل ضرور پوچھتے۔[41]

طلاق میں مذکورہ قاعدے کی تطبیقات

فقہاء نے مذکورہ قاعدے سے طلاق کے بہت سے مسائل پر استدلال کیا ہے، بطور مثال کے کچھ تطبیقات درج ذیل ہیں:

پہلا مسئلہ: طلاق دینے میں نیت

مذکورہ قاعدے سے استدلال کیا جاتا ہے کہ طلاق دینے کے لیے نیت شرط نہیں ہے جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کے دنوں میں طلاق دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: "اسے کہو کہ وہ اس سے رجوع کرے، پھر وہ اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر اسے حیض آ جائے پھر وہ پاک ہو جائے، اس کے بعد اگر وہ چاہے تو اسے روکے رکھے اور اگر چاہے تو اس سے ہمبستری کرنے سے پہلے طلاق دے دے، یہ وہ عدت ہے جس کے بارے میں اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے کہ عورتوں کو اس کے مطابق طلاق دی جائے"۔[42] تو اس حدیث میں نبی ﷺ نے اسے اپنی بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دیا جبکہ آپ نے اس سے اس طرح کا کوئی سوال نہیں کیا کہ کیا اس نے طلاق کی نیت کی تھی یا نہیں۔[43]

دوسرا مسئلہ: حائضہ پر طلاق کا وقوع

مذکورہ قاعدے سے یہ بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ حائضہ کو بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہ ان کے نزدیک ہے جو خلع کو بھی طلاق شمار کرتے ہیں جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "ثابت بن قیس کی بیوی نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! میں ثابت پر اس کے دین یا اخلاق کے بارے میں کوئی عیب نہیں لگاتی لیکن میں نافرمانی سے ڈرتی ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا: کیا تو اسے اس کا باغ واپس لوٹا دے گی؟ اس نے کہا: ہاں! چنانچہ اس نے اس کا باغ واپس لوٹا دیا اور نبی ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ اسے چھوڑ دے"۔[44] تو اس حدیث میں یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حیض کے دوران بھی خلع جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ثابت بن قیس کے لیے مطلق طور پر خلع کا حکم جاری فرمایا اور اس سے اس کی بیوی کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں پوچھی جبکہ عورتوں کے حق میں حیض کوئی نادر الوجود معاملہ نہیں ہے۔[45]

عصر حاضر میں تَرْكُ الِاسْتِفْصَال کی تطبیقات

مذکورہ قاعدے سے استدلال کرنا صرف عبادات کے مسائل یا صرف ان مالی مسائل میں منحصر نہیں ہے جو مسائل قدیمی فقہاء کے ہاں معروف تھے، بلکہ عصر حاضر میں پائے جانے والے مسائل میں بھی اس سے استدلال ممکن ہے، بطور مثال کے کچھ تطبیقات درج ذیل ہیں:

اول: کرنسی کے لین دین کے کاروبار کا جواز

مذکورہ قاعدے سے کرنسی کے لین دین کے کاروبار کے جواز پر وہ فقہاء استدلال کرتے ہیں جو فقہاء بیع سلم[46] کو درہم اور دینار میں بھی جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ مالکی[47] اور شوافع فقہاء[48] عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: نبی ﷺ مدینہ آئے تو لوگ کھجور میں دو یا تین سال کے لیے بیع سلف[49] کرتے تھے تو آپ نے فرمایا: جو بھی کسی چیز میں بیع سلف کرے تو وہ ایک معلوم چیز میں کرے جس کا ماپ بھی معلوم شدہ ہو، وزن بھی معلوم ہو اور وقت بھی معلوم ہو۔[50] اس حدیث میں نبی ﷺ نے قبضہ کی جگہ کی تفصیل نہیں پوچھی چنانچہ جائز ہے کہ کوئی شخص بنک سے کوئی کرنسی جیسا کہ ڈالر وغیرہ کسی مختلف پیپر لیس کرنسی جیسا کہ کسی اور ملک کا ڈالر وغیرہ کے بدلے ادھار خریدے اور اسے کسی بھی شہر میں قبضہ میں کرے اور اسے عقد کی مجلس میں ادا کرے، اسی طرح اس کے برعکس بھی درست ہے۔

---

[40]۔ ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، **السنن**، كِتَاب الطَّلَاقِ، بَابٌ فِي مَنْ أَسْلَمَ وَعِنْدَهُ نِسَاءٌ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعٍ أَوْ أُخْتَانِ، **حدیث ۲۲۴۳**۔

[41]۔ قاضی ابو بکر ابن العربی، **المسالِك في شرح مُوَطَّأ مالك**، كتاب الطلاق وشرح أبوابه ومقدِّماته، باب جامع الطّلاق، **۵:۶۵۱**۔

[42]۔ **مسلم**، **الصحیح**، كِتَابُ الطَّلَاقِ، بَابُ تَحْرِيمِ طَلَاقِ الْحَائِضِ بِغَيْرِ رِضَاهَا، وَأَنَّهُ لَوْ خَالَفَ وَقَعَ الطَّلَاقُ، وَيُؤْمَرُ بِرَجْعَتِهَا، **حدیث ۱۴۷۱**۔

[43]۔ ابو بکر بن مسعود الکاسانی، **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع**، كِتَابُ الطَّلَاقِ، فَصْلٌ فِي النِّيَّةِ فِي أَحَدِ نَوْعَيْ الطَّلَاقِ وَهُوَ الْكِنَايَةُ (**بیروت: دار الکتب العلمیہ**، 1406ھ)، ۳:۱۰۱۔

[44]۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، كِتَابُ الطَّلَاقِ، بَابُ الخُلْعِ وَكَيْفَ الطَّلَاقُ فِيهِ، **حدیث ۵۲۷۶**۔

[45]۔ ابن حجر عسقلانی، **فتح الباري شرح صحيح البخاري**، ص ۹:۴۰۲۔

[46]۔ بیع سلم ایسی بیع کو کہا جاتا ہے جس میں قیمت فوری ادا کی جائے اور خریدی گئی چیز بعد میں کسی متعین تاریخ کو وصول کی جائے، اس بیع میں خریدار کو "رب السلم" فروخت کرنے والے کو "مسلم الیہ" قیمت کو "راس المال" اور خریدی ہوئی چیز کو "مبیع" کہتے ہیں۔

[47]۔ قاضی ابو بکر ابن العربی، **القبس في شرح موطأ مالك بن أنس**، **كتاب البيوع** (**بیروت: دار الغرب الاسلامی**، 1992ء)، ۸۳۵۔

[48]۔ عبد الکریم بن محمد الرافعی، **الشرح الكبير** (**بیروت: دار الفکر، س ن**)، ۹:۲۱۰۔

[49]۔ بیع سلف بھی بیع سلم کو ہی کہتے ہیں۔

[50]۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، كِتَابُ السَّلَمِ، بَابُ السَّلَمِ فِي وَزْنٍ مَعْلُومٍ، **حدیث ۲۲۴۰**۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

دوم: صدقے کا بعد از ہدیہ جواز

مذکورہ قاعدے سے صدقے کے بعد از ہدیہ کے جواز پر بھی استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوئے جبکہ ہنڈیا آگ پر چڑھی ہوئی تھی توگھر کے سالن میں سے سالن اور روٹی نبی ﷺ کے قریب کی گئی نبی ﷺ نے فرمایا: کیا میں نے ہنڈیا نہیں دیکھی ؟ تو آپ کو کہا گیا: اس ہنڈیا میں گوشت ہے جو بریرہ پر صدقہ کیا گیا ہے جبکہ آپ تو صدقہ نہیں کھاتے تو آپ نے فرمایا: وہ بریرہ کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔[51] اب یہاں پر نبی ﷺ نے نہ تو صدقہ کرنے والے شخص کی تفصیل پوچھی اور نہ ہی اس کے اس مال کو کمانے کی کیفیت اور ذرائع کی تفصیل پوچھی جو مال اس نے بریرہ پر صدقہ کیا تھا کیونکہ یہ صدقہ کا مال جس پر صدقہ کیا گیا اس کی ملکیت میں آنے کے بعد صدقہ کے معنی سے نکل گیا اور جس نے بریرہ پر صدقہ کیا تھا اس کی ملکیت سے نکل کے بریرہ کی ملکیت میں آ گیا پھر بریرہ کے اس مال کو ہدیہ کرنے کے بعد وہ مال بریرہ کی ملکیت سے بھی نکل گیا اور اس کی ملکیت بن گیا جسے بریرہ نے ہدیہ کیا اگرچہ جسے بریرہ نے ہدیہ دیا اس شخصیت پر صدقہ حرام تھا لیکن جب وہ مال آپ کی ملکیت میں ہدیہ کے ذریعے آیا نہ کہ صدقہ کے ذریعے تو وہ آپ کے لیے حلال ہو گیا۔

سوم: جانوروں کی کراس بریڈنگ[52] کی کراہت

اسی طرح مذکورہ قاعدے سے جانوروں کی کراس بریڈنگ کے مکروہ ہونے پر بھی استدلال کیا جاتا ہے[53] اور وہ یہ ہے کہ دو مختلف جانوروں کو لیا جائے اور ان کا آپس میں ملاپ کروایا جائے تاکہ ایک تیسری صنف پیدا ہو جو اپنے ماں باپ کی صفات سے مختلف صفات کی حامل ہو مثال کے طور پر خوبصورت جسامت والے مذکر اور خوبصورت آواز والی مؤنث میں اس نیت سے کراس بریڈنگ کروائی جائے تاکہ ایسے پرندے پیدا کیے جاسکیں جو نئی صفات کے حامل ہوں اور اگر اس کے ماں باپ ایک ہی جنس کے ہوں تو مقصد یہ ہے کہ ان کی چہچہاہٹ ان کے ماں باپ کی چہچہاہٹ سے زیادہ خوبصورت ہو۔ حضرت علی ؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ کو ایک خچر ہدیہ کیا گیا تو آپ اس پر سوار ہوئے، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم بھی اپنے گدھوں سے اپنی گھوڑیوں کی جفتی نہ کروائیں تاکہ ہمیں بھی ایسی نسل مل سکے ؟ تو آپ نے فرمایا: ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو علم نہیں رکھتے۔[54] یہاں نبی ﷺ نے کراس بریڈنگ کے اسباب کی کوئی تفصیل نہیں پوچھی کہ کیا یہ ان کی قوت کی غرض سے ہے یا ان کے گوشت کی غرض سے یا کسی اور غرض سے چنانچہ یہ حدیث مطلق طور پر کراس بریڈنگ کے مکروہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

نتائج

یہ قاعدہ فقہ کے مختلف ابواب میں مستعمل ہے جیسا کہ عبادات اور معاملات کے ابواب وغیرہ اسی طرح یہ قاعدہ عصر حاضر کے فقہی مسائل میں بھی مستعمل ہے۔

نبی ﷺ کا واقعہ میں احتمال ہونے کے باوجود تفصیل کے مطالبے کو ترک کر دینا گفتگو میں عموم کے قائم مقام ہے۔

جو جگہ تفصیل کی محتاج ہو وہاں پر مطلق بات کرنا ممنوع ہوتی ہے۔

سفارشات

فروعی مسائل میں تَرْكُ الِاسْتِفْصَال کے اثرات کی وضاحت کا اہتمام ہونا چاہیے اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ امت مسلمہ یکسوئی سے دین پر چلے گی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ کام مکمل ہوا، اس میں جو درستی اور اچھائی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور اس میں جو لغزشیں ہیں وہ میرے نفس اور شیطان کی طرف سے ہیں، ان پر میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طلبگار ہوں۔

---

[51]۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ الحُرَّةِ تَحْتَ العَبْدِ، حدیث ۵۰۹۷۔

[52]۔ کسی ایک جنس کے نر اور دوسری جنس کی مادہ کا اس غرض سے ملاپ کروانا تاکہ کوئی تیسری جنس حاصل کی جاسکے۔

[53]۔ اس کے مکروہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس میں قطع نسل کا شائبہ بھی ہے اور اس میں بہتر کے بدلے کم تر لینا بھی ہے، محمد بن عبد الہادی السندی، **حاشية السندي على سنن النسائي**، كتاب الطهارة، بَاب فرض الْوضُوء (حلب: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، 1406ھ)، ۱:۸۹۔

[54]۔ ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، **السنن**، كِتَاب الجِهَادِ، بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ الْحُمُرِ تُنْزَى عَلَى الْخَيْلِ، حدیث ۲۵۶۵۔